کلیدی خطبہ

مغل بادشاہوں نے بابر ظہیر الدین محمد (۱۵۲۶ء تا ۱۵۳۰ء) کے عہد سے لے کر سراج الدین ابو المظفر بہادر شاہ ظفر کے زمانے تک (۱۸۳۷ء تا ۱۸۵۷) حکومت کی۔ یہ کل زمانہ درست ۳۱۵ سال پر مشتمل ہے۔ اس ساری مدت میں اس تیموری نژاد خاندان کے اگرچہ سولہ بادشاہوں نے حکومت کی لیکن ان سب میں بابر، ہمایوں، اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں اورنگ زیب عالمگیر مقتدر ترین سلاطین تھے جنہوں نے اپنی جنگی صلاحیتوں اور علمی استعدادوں کی راہ سے غیر منقسم ہندوستان کی عزت و آبرو اور شہرت و قوت کو عالمگیر بنا دیا۔ اس امر کے لیے ان بادشاہوں نے مساوی اقدامات کئے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ جلال الدین محمد اکبر کا دور (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) جو پچاس سال کے لمبے عرصے پر پھیلا ہوا ہے سارے ادوار میں درخشاں رہا ہے۔ اس دور میں اکبر کی حکمت عملی نے پورے ہندوستان کی حکومت کی استواری و استحکام کو اس کی گود میں ڈال دیا۔ اور اس کے مقابل کے شجاع تر اور جنگجو تر دشمن اس کی اطاعت میں آ کر زیر ہو گئے۔ اس کی تفصیل ہندوستان کی تواریخ میں درج ہے جس کی تکرار یہاں پر غیر ضروری اور موضوع سے خارج ہے۔ میں اکبر کے علمی اور ادبی

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

کارناموں اور خدمات کا ذکر کروں گا جن کے پُرثمر اور بارآور نتایج سے نہ صرف موجودہ دور لذت یاب ہے بلکہ آنے والے ادوار میں بھی غیر منقسم ہندوستان کی تہذیب اور اس کا تمدن، اس کی ادبی و علمی عظمت مسلسل طور پر نسلوں کے وقار و غرور کو بلند رکھے گی۔

اکبر سے پہلے اس کے اَب وجد یعنی بابر اور ہمایون کو ہندوستان کے ایک مستحکم و مضبوط ملک بنانے کی تدابیر پر غور و فکر کرنے کی مجال نہ ملی کہ وہ جنگوں میں الجھے رہے لیکن اُن کے اس قابل افتخار فرزند جلال الدین محمد اکبر کے نصیب میں قدرت و جلال اس اوج و بلندی پر رہا کہ اس کی سلطنت میں اوایل عہد میں چند معمولی سی لڑائیوں کے قطع نظر جنہیں نسبتاً نوک جھونک ہی کہا جا سکتا ہے کسی ایک بھی مقامی حکمران نے سرکشی اور شورش کا خیال تک نہ کیا۔ اور اکبر کی توجہ کاملاً اور خیالِ راحت کے ساتھ علم و ادب پروری اور اس کی نشر و اشاعت کی طرف مبذول رہی۔

اکبر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ باسواد نہیں تھا لیکن یہ تحقیق طلب ہے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہے کہ بقول ابوالفضل ہمایون نے اکبر کے چار سال اور چار دن کی عمر پوری ہونے پر اس کی مکتب کی رسم ادا کی اور اس کے اساتذہ میں ملا عصام الدین ابراہیم، مولانا بایزید، مولانا پیر محمد خان، نقیب خان، بیرم خان، مولانا عبدالقادر وغیرہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک استاد عبداللطیف قزوینی اکبر کو دیوانِ حافظ پڑھاتے تھے (بحوالہ منتخب التواریخ بدایونی جلد سوم)۔ اس پس منظر میں اکبر کے مطلق اُمی ہونے کی اطلاع مشکوک اور ناقابل یقین سی لگتی ہے۔ لیکن بہرحال اس پر دقیق تحقیق کی ضرورت ہے۔

البتہ اس میں شک نہیں کہ اس مفروضہ شہرت کے باوجود اکبر کے دربار نے ایرانی رنگ اختیار کیا۔ نوروز کا جشن جاری کیا۔ سلطنتی پُرشکوہ جشنوں میں ایرانی

Scanned with CamScanner

بادشاہوں کے سلیقے کا انتخاب کرکے اسی کو اپنا نمونہ قرار دیا۔ نہ صرف خود ایرانی رسوم و آداب، خوراک و لباس کو اپنے لیے چنا بلکہ اپنے امراء کو بھی جن میں ایک خاص تمدن والے ھندو امیر بھی شامل تھے، اسی تمدن کو اختیار کرنے کی طرف راغب کیا۔

علوم و ادبیات اور آداب و رسوم کے علاوہ اکبر کے ایام سلطنت میں اور بیشتر خود اسی کے تحت نظر ایران کے تیموری دور کا فنِ نقاشی اور معماری کا ہنر غیر منقسم ھندوستان میں رایج ہوا۔ ایرانی نقاشی کے بارے میں اس کے دربار میں عبدالصمد شیرازی اور میر سید علی تبریزی کے نام لیے جاتے ہیں۔ اکبر کے بعد جب یہ عظیم فن پھیلتا رہا تو کشمیر کے نقاشوں نے بھی اس میں اپنا حصہ جہانگیر اور شاہجہان کے ادوار میں ادا کیا جو ایک الگ داستان ہے۔

نقاشی اور میناکاری کا اکبری دور مکمل طور پر ایرانی فن کاری کا حامل ہے۔ اور اس دور کی مستحکم بنیاد والی تعمیرات جیسے لاہور کا قلعہ، ھمایوں کا مقبرہ، آگرہ کا قلعہ وغیرہ ایرانی معماری کے اسلوب کی زد میں ہیں۔ لیکن عہد اکبری میں تمام فنون کے مقابلے میں ایرانی شعر و ادب ہی پُر رونق و اعتبار رہا جو ھندوستان کی مقامی ادبی روایات اور ایک مخصوص ماحول میں پل کر ھندوستانی ادب کا حصہ قرار پایا اور ہندوستانی اسلوب کے نام سے مشہور ہوا۔

اکبر نے فارسی علوم و ادب کو سارے ہندوستان میں رایج کیا۔ گو کہ دارالترجمہ قایم کرکے سنسکرت کو ھندوستان کی قدیم ترین زبان کی حیثیت میں زندہ رکھنے کی بھی کوشش کی لیکن فارسی علم و ادب کی تشویق، قدردانی اور اسے عام کر دینے کا اُس میں اس قدر شوق تھا کہ عالم مغلیہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہ ہوا۔ مشہور فارسی کتابوں کو اپنے سامنے پڑھوایا۔ پڑھوا کر ان پر غور و فکر کرتا رہا۔ جس کے نتیجے میں وہ تاریخی واقعات

فقہی مسائل اور علم و حکمت کے نکتوں سے باخبر رہتا تھا۔ خواجہ حافظ اور مولانا روم کے کئی اشعار اُسے زبانی یاد تھے۔ (بحوالہ اکبر نامہ جلد اول) "تاریخ فرشتہ کے مقبول: "گاہی شعر گفتی۔ در علم تاریخ و قوانی تمام داشت و قصص ہند نیکو می دانست" (کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا۔ تاریخ پر کامل دسترس تھی اور ہندوستانی قصوں کو خوب جانتا تھا) جون پور کے حاکم خان زمان کی بغاوت کے موقعہ پر دونوں کے منظوم سوال و جواب بہت دلچسپ ہیں جو تذکروں میں درج ہیں۔ ابوالفضل نے بھی اکبر کی شعر گوئی کا ذکر کیا ہے۔ بلکہ شبلی نعمانی نے شعر العجم میں اکبر کو شعری نقاد کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

اکبر کا دربار خود اُس کی اسی علمی و ادبی اور فرہنگی روش و دل بستگی کے پس منظر میں دانش مندوں عالموں، شاعروں، ادیبوں، فن کاروں اور ہنرمندوں کا مجمع تھا جن پر اُس کی حوصلہ افزائی کی الطاف و عنایات شامل حال رہتی تھیں اور اس راہ سے اس نے ایک بزرگترین علم و ادب پرور بادشاہ کی حیثیت سے دنیا میں اپنا نام ہمیشہ کے لیے باقی چھوڑا ہے۔ اکبر کے اس درخشاں دربار میں نہ فقط ایرانی علماء و شعرا و ادبا نے فارسی علوم و ادبیات کے چشمے بہا دیئے بلکہ افغانستان اور ترکستان کے علما اور شعرا نے بھی خود کو اس مجمع باکمال میں شامل کر لیا اور وہ عزت و شہرت پائی جس سے وہ اپنے ممالک میں محروم تھے۔ مجموعی مساعی اور ہنر پروری کے زیر اثر ہندوستان کے سخن سراؤں، عالموں اور ہنرمندوں کا ظہور ہوا۔ اور اس طرح سے خارجی اور مقامی اصحاب علم و فضل کے اختلاط سے فارسی نظم و نثر کا ایک علیحدہ مکتب وجود میں آیا۔

اکبر نے اپنی فطری خداداد استعداد و قابلیت سے فارسی ادب کو ترقی دینے کے مقصد سے دربار کے اکثر عالموں اور دانش مندوں کو عربی، ترکی اور سنسکرت زبانوں

کے ادبی شاہکاروں کا فارسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا۔ ان علماء میں جن کے نام تواریخ اور تذکروں میں نظر آتے ہیں شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل، عبدالقادر بدایونی عبدالرحیم خانِ خاناں وغیرہ ہیں۔ انہوں نے شاہی فرمان پر عمل کر کے کم عرصے میں ان مذکورہ زبانوں کے گراں بہا آثار کو فارسی زبان میں لاکر فارسی ادب کے دامن کو وسیع تر کر دیا۔ اکبر نے سنسکرت زبان میں موجود شاہکار آثار کو فارسی میں لانے کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی جو غالباً سیاسی مصلحت کی بھی حامل تھی۔ ان ترجموں میں بطور مثال یہ ترجمے شامل ہیں۔

مہابھارت :۔ سال ۹۹۰ تا ۹۹۵ھ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے کیا اس عظیم کام میں فیضی، نقیب خان، ملا شیری اور حاجی سلطان تھانیسری نے بھی اس کا ہاتھ بٹایا تھا ۔۔۔

سنگھاسن بیسی :۔ سال ۹۸۲ھ میں ملا عبدالقادر بدایونی نے کیا

داماین :۔ سال ۹۹۵ھ میں حاجی سلطان تھانیسری اور نقیب خان کی معاونت میں ملا عبدالقادر بدایونی نے کیا۔

اتھربن :۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اس کا ترجمہ ۹۸۳ھ میں کیا لیکن دشواریاں پیش آئیں۔ اس ترجمے میں شیخ مہادن یا بھادان نامی ایک نومسلمان عالم نے اس کی مدد کی اور جب اکبر کو مطلع کیا گیا تو اس نے یہ کام فیضی کے حوالے کر دیا اور اس کے بعد حاجی ابراہیم سرھندی نے ترجمہ کا کام مکمل کر لیا البتہ غیر تسلی بخش!

پنچ تنتر :۔ شیخ ابوالفضل نے ۹۹۶ھ میں براہ راست سنسکرت سے عیارِ دانش کے نام سے کیا۔

راج ترنگنی :۔ کشمیر کی قدیم سنسکرت تاریخ مصنفہ کلہن کا ترجمہ کشمیر کے ایک فارسی عالم نے کیا جس کا نام شاہ محمد تھا اور شاہ آباد ڈورو کا باشندہ تھا۔

Scanned with CamScanner

اس کا نام تاریخ کشمیر ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے اسے سنوار کر اس کی تلخیص لکھی تھی۔ یہ تاریخ اکبر کے کتاب خانہ میں داخل کردی گئی اور اکبر کے سامنے تھوڑی تھوڑی پڑھی جاتی تھی (بحوالہ بدایونی جلد دوم)

نل دمینتی :۔ سال ۱۰۰۳ھ میں فیضی نے اسکا منظوم ترجمہ کیا۔

کتھاسرت ساگر :۔ ملا عبدالقادر بدایونی نے سال ۱۰۰۳ھ میں اس کا ترجمہ کیا اور بحرالاسمار نام رکھا۔

لیلاوتی :۔ جیومٹری اور الجبرا پر بھاسکر آچاریہ کی لکھی ہوئی یہ کتاب فیضی کے ہاتھوں ترجمہ ہوئی۔

بھگوت گیتا :۔ عام طور پر اس ہندو دھرم کی کتاب کا فارسی ترجمہ ابوالفضل سے منسوب ہے۔

ان تراجم کے علاوہ معجم البلدان تالیف یاقوت حموی جو جغرافیہ پر عالمی شہرت کی حامل ہے کا ترجمہ بدایونی نے ملا احمد ٹھٹوی، قاسم بیگ اور شیخ منور اور دیگر نامعلوم علماء کی معیت میں کیا۔

جامع التواریخ :۔ رشیدالدین فضل اللہ کا فارسی ترجمہ عبدالقادر بدایونی نے ۹۹۲ھ میں کیا۔

شمس الدین محمد بن محمود شہرزوری کی کتاب نزہتہ الارواح و روضتہ الافراح کا فارسی ترجمہ مقصود علی تبریزی نے کیا۔ سال ۹۹۷ھ میں عبدالرحیم خان خانان نے واقعات بابری کا ترکی چغتائی زبان سے سال ۹۹۷ھ میں فارسی میں کیا۔

ان ترجموں کے علاوہ اکبر کی خاص توجہ کے نتیجے میں جو اس نے ادب کو

ترقی دینے کی طرف کی ایسے شاہکار وجود میں آئے جو فارسی دنیا کے افتخارات کہلائے جاتے ہیں۔ اکبر کے پچاس سالہ طویل دور حکومت میں علوم و فنون اور شعر و ادبیات کے افق پر ایسے نور افشاں ستارے ظاہر ہوئے جن کے نور سے غیر منقسم ہندوستان کی سرزمین روشن رہی اور ابھی بھی ہے۔ ان میں ملّا عبدالقادر بدایونی، شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل، عبدالرحیم خان خانان، غزالی مشہدی، نظیر نیشاپوری، عرفی شیرازی وغیرہ شامل ہیں۔

اکبر تاریخ کے ساتھ بڑی وابستگی رکھتا تھا اس لیے تاریخ نویسی کو وسعت دینے میں بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ یہ اولین بادشاہ تھا جس نے درباری مورخ کا منصب وجود میں لایا۔ اکبر نے اپنی ذاتی اور خاص توجہ و نظر کے تحت ابوالفضل کو اکبر نامہ نامی تاریخ لکھنے کا کام تفویض کیا جیسے سال ۹۸۰ھ میں اس کے جد بزرگ امیر تیمور نے ظفر نامہ تاریخ لکھنے کا کام نظام الدین شامی کے حوالے کیا تھا۔ اکبر نے تواریخ کا فارسی میں ترجمہ کروایا۔ اور بابری و ھمایونی عہد کی تاریخی اطلاعات کی کمی کو پورا کرنے کی خاطر ان زمانوں کے بزرگواروں، فارغ الخدمت لوگوں اور تربیت یافتہ اشخاص کو جیسے بایزید بیات، مہتر جوھر اور گلبدن بیگم کو حکم دیا کہ اپنے بادشاہوں کے دور سے متعلق اپنی یادداشتوں کو تاریخی کتابوں کی صورت میں لکھیں۔

اس طرح سے تاریخ نویسی میں ایک مقامی جدید روایت وجود میں آگئی جو ایک خاص مکتب کی صورت اختیار کر گئی۔ اس مکتب میں تاریخ نویسی، قدیم و جدید دونوں اسالیب پر مشتمل رہی۔ گویا اکبری دور میں ہی، باوجود اس کے کہ اس سے قبل بابری اور ھمایوں دور میں، واقعات بابری، تاریخ رشیدی اور تاریخ ھمایونی جیسی عمدہ تاریخیں ظاہر ہوئیں لیکن حقیقت میں غیر منقسم ہندوستان میں تیموری دور کی

تاریخ نویسی کی عظیم الشان عمارت کی بنیاد رکھ دی گئی۔ اور اس طرح سے تاریخ نویسی کے کمالِ فن اور تاریخ نویسی کی کثرت نیز زبردست مورخوں کے ظہور میں یہ دور ماقبل ادوار پر سبقت رکھتا ہے۔ مشہور ترین مورخوں میں ملّا عبدالقادر بدایونی ابوالفضل، شاہ محمد شاہ آبادی کشمیری، نقیب خان قزوینی، عبدالرحیم خانخانان ملا احمد ٹھٹھوی، ملا شیری وغیرہ شامل ہیں۔

اکبری دور میں جو قابلِ قدر تاریخیں فارسی میں لکھی گئی ہیں ان میں کسی نامعلوم مولف کی سال ۹۸۴ھ میں لکھی گئی تاریخِ خاندانِ تیموریہ، محمد عارف قندھاری کی تاریخِ اکبری سال ۹۸۷ھ، تحفۂ اکبر شاہی یا تاریخ شیر شاہی سال ۹۹۴ھ مولفہ عباس خان سروانی، میر ابوتراب ولی گجراتی کی تاریخ گجرات ۹۹۴ھ تاریخ الفی مولفہ ملا احمد ٹھٹھوی اور شرکا سال ۱۰۰۰ھ (شرکا میں آصف خان قزوینی، نقیب خان قزوینی میر فتح اللہ شیرازی، نظام الدین ھروی، عبدالقادر بدایونی، حکیم علی گیلانی، حکیم ھمام گیلانی اور ابراھیم سرھندی شامل ہے یہ تاریخ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاھری رحلت فرمانے کے ایک ھزار سال بعد کے حالات پر مشتمل ہے —
مجامع الاخبار سال ۱۰۰۰ھ مولفہ محمد شریف وقوعی نیشاپوری، طبقات اکبری سال ۱۰۰۲ھ مولفہ خواجہ نظام الدین احمد ھروی، منتخب التواریخ سال ۱۰۰۴ھ مولفہ عبدالقادر بدایونی تاریخ حقی سال ۱۰۰۵ھ مولفہ عبدالحق محدث دہلوی، تاریخ سندھ یا تاریخ معصوی مولفہ میر محمد معصوم بھکری، اکبر نامہ (سال ۱۰۱۰ھ) مولفہ شیخ ابوالفضل، تاریخ اکبر شاھی (سال ۱۰۱۰ھ) مولفہ شیخ اللہ داد فیضی سرھندی، زبدۃ التواریخ سال ۱۰۱۴ھ مولفہ نورالحق دہلوی، شامل ہیں۔ ان تاریخوں کے علاوہ اکبری دور میں اور بھی متفرق تواریخ لکھی گئی ہیں جن میں حضرت ایشان شیخ یعقوب صرفی کشمیری کی منظوم تاریخ

مغازی النبیؐ، ھمایون نامہ فیضی، ظفر نامہ احمد آباد مولفہ فیضی، تاریخ کشمیر مولفہ شاہ محمد شاہ آبادی کشمیری وغیرہ کے نام لیے جا سکتے ہیں۔

غرض اکبری دور میں جو روشن علمی اور ادبی روایات وجود میں آئیں وہ بعد کے ادوار میں تقلید کا باعث بن گئیں اور ان کی پیروی آج تک ہو رہی ہے۔

اکبری دور کے ان طلائی روایات میں اس کے جانشینوں کے عہد میں خاصا اضافہ ہوا اور اس پورے عہد میں جو ابو المظفر بہادر شاہ ظفر کے آخر تک سال ۱۸۵۷ء عیسوی یا ۱۲۷۴ھ پر ختم ہو جاتا ہے غیر منقسم ہندوستان کی پوری تمدن و تہذیب ثبت ہے اور یہ اس دور کے لوگوں کی شہادت، شجاعت اور زندگی کی نفاست، اقتصادی خوشحالی، باہمی اخوت اور تہذیبی برتری پر گواہ ہے۔

اکبری دور میں شامل ہونے سے پہلے ھمارا کشمیر کا ملّا ایک آزاد اور خود اختیار ملک تھا اور اس حیثیت سے اپنے اسلامی دور میں یعنی شاہمیری دور سے چک بادشاہوں کے اختتام سلطنت تک یعنی سال ۷۴۳ھ (۱۳۴۲ء) سے لے کر سال ۹۹۴ھ (۱۵۸۵ء) تک فارسی زبان و ادب کے دورِ تکامل کو پہنچ چکا تھا۔ اس خود اختیار عہد میں جو ٹھیک ڈھائی سو سال طویل مدت تھی کشمیر نے پورے مغل دور کی ادبی سرگرمیوں اور رفعتوں کی منزلوں کو پہلے ہی طے کر لیا تھا اور آج تک کشمیر اس لحاظ سے ایرانِ صغیر کے دوسرے نام سے معروف ہے۔

مغلیہ دور میں غیر کشمیری علماء ادباء و شعرا اور دانش مند حضرات کے کشمیر میں آکر یہاں کی تہذیب اور اصل تمدن کو اختیار کرنے بلکہ بعضوں کے اسی

خاک کو اپنا وطن بنانے کی وجہ سے یہاں کی ادبی روایات میں حیرت انگیز ترقی ہوئی اور کشمیر کی زرخیز مٹی سے ایسے عالم دانش مند، مورخ، ادیب، دستور دان، اور شاعر پیدا ہوئے جو کسی بھی طرح غیر منقسم ہندوستان کے دانش مندوں سے ادب کی اصناف میں پیچھے نہیں۔ ان کے نام فارسی دنیا میں لکھے گئے تمام تذکروں میں، اور ان کے اکثر آثار دنیا کے تمام معتبر کتاب خانوں میں موجود ہیں۔

موجودہ حسن رہگذر سے استفادہ کرکے میں فارسی و ادب سے دلچسپی رکھنے والوں اور خصوصیت کے ساتھ کشمیر کے فارسی شناسوں سے مخاطب ہوکر کہنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنے اس عظیم وطن کی فارسی شناسی کی طلائی روایات کو نمایاں اور روشن کرنے کی نیت سے کتاب خانوں میں جاکر اپنے آباء و اجداد کے چھوڑے ہوئے ان خزانوں کو کھنگالیں جن میں ہماری دیرینہ عظمت پنہان ہے اور ہمارا خاص تمدن اور ہماری درخشان تہذیب ضبط ہے۔ البتہ یہ کام تاریخ شناس دانشمندوں کی شرکت سے بڑے ہی دور رس نتایج کا حامل ہوسکتا ہے۔ اس لیے تاریخ دانوں اور فارسی شناسوں کی یک جہتی اور باھمی تعاون کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ میں تو عربی دان، اور لغت شناس دانش مندوں جن میں اردو زبان کے جاننے والے عالم بھی شامل ہیں کے تعاون کو ناگزیر سمجھتا ہوں۔ اس بارے میں ہماری اس یونیورسٹی کے مربوط شعبہ جات کے اساتذہ علماء اور ذہین و دردمند طالبان علم ہمارے کھوئے ہوئے یا پنہان و پوشیدہ خزانوں کی بازیافت میں معاون و مددگار ہوں گے۔ ان چند شعبہ جات کے باھمی تعاون سے کشمیر علم و ادب کی دنیا میں اپنے اُس مقام کی بلندیوں کو پھر سے پالے گا جو اس کی وراثت میں شامل تھیں۔ ایسا اہم کام کرنے سے ہمارے ادب و تاریخ سے متعلق کئی علمی شناسائیاں واضح ہوجائیں گی۔ ہم تاریخ نویسی کے فوائد

سے روشناس ہونگے۔ تاریخ اور مائتھالوجی کی تفریق، تاریخ نویسی کی روایات اور تاریخ کے کارناموں اور دیگر باتوں جیسے تاریخ اور جامعہ شناسی کے علاوہ یہاں کے فارسی شعری اور نثری عظمتوں سے واقف ہوجائیں گے۔ مجھے امید ہے کہ آپ تمام محققین علماء اور دانشمند حضرات اس وطن عزیز کے، جس کی فضاؤں میں ہمارے بزرگوار اور علم دوست آباء جن میں ہمارے پاک کردار اولیاء کرام شامل ہیں، کے عطر بیز انفاس پھیلے ہوئے ہیں، کے آثار کو کتابی تہہ خانوں، کتابی کمروں، الماریوں اور صندوقوں کے قید و بند سے اپنی تلاش و جستجو سے آزاد کر کے ان کی تجدید حیات کے اقدام کریں گے اور اپنی وراثت کی رفعتوں کی آگاہی کی راہ سے دنیا میں ہمارے ادبی تشخص کا مقام تعین کرنے میں اپنا حصہ ادا کریں گے۔ اپنی قوم کو زندہ رکھنے کی ایک شاہراہ یہی ہے، پس ایسا کرنا محققین و مورخین پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ شکریہ

۱۸، مارچ ۲۰۰۲ء

پروفیسر ڈاکٹر شمس الدین احمد

Scanned with CamScanner